# تعارف و تبصرۂ کتب

کتاب　:　مصر میں آزادیٔ نسواں کی تحریک اور جدید عربی ادب پر اس کے اثرات

مصنفہ　:　ڈاکٹر سطوت ریحانہ

ناشر　:　مصنفہ، معرفت مکتبہ ''ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی''، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ-۱، ہندوستان

سالِ اشاعت　:　۲۰۰۱ء

صفحات　:　۳۰۲

قیمت　:　۱۵۰ ہندوستانی روپے

تبصرہ نگار　:　سفیر اختر☆

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسانیت کے ''نصف بہتر'' کو تاریخ کے طویل ادوار میں بحیثیت مجموعی وہ مقام نہیں ملا جو ''احترامِ انسانیت'' کا تقاضا تھا۔ اسلام نے مرد و زن کے درمیان صنفی اختلافات کو تسلیم کرتے ہوئے آدابِ معاشرت طے کیے، مگر ایمان و عقیدہ، جزا و سزا اور اخلاق و تقویٰ میں کسی ایک کو دوسرے پر صنفی بنیادوں پر کوئی فوقیت نہ دی۔ اس نے مرد و زن دونوں کا یہ حق تسلیم کیا کہ وہ جائداد کے مالک ہو سکتے ہیں، اور اپنی جائداد میں آزادانہ تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، تعلیم دونوں کا یکساں حق ہے اور ''مشاورت'' جو مسلم معاشرے کی بنیادی قدر ہے، اس میں موقع و محل کے اعتبار سے خواتین شریک رہی ہیں اور ان کی رائے کا وزن محسوس کیا گیا ہے۔ تاریخ کے اس مرحلے میں جب انسان ''آزاد'' اور ''غلام'' کے فرق کا شکار تھا، اور غلام کی زندگی کا انحصار آقا و مالک کے رحم و کرم پر تھا، نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا تھا: ''جس کے پاس کوئی باندی ہو، اور وہ اسے اچھی تعلیم دے، اسے عمدہ شائستگی سکھائے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کرلے تو اسے دوہرا اجر ملے گا'' (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح)۔

جب باندی تعلیم و تہذیب کی مستحق تھی تو ایک آزاد خاتون تو بدرجۂ اولیٰ اس حق کی مالک تھی۔

☆　چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسی طرح زندگی کے معاملات میں خواتین کی بھرپور شرکت کے حوالے سے تاریخ اسلام کا ابتدائی دور اپنے دامن میں بیسیوں قابلِ تقلید مثالیں سمیٹے ہوئے ہے، اور اگر انسانی کمزوریوں کے پیش نظر کسی خاتون کو اپنے مرد رشتہ داروں یا خاوند کے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچا تو اس کے ازالے کے لیے عدل و انصاف کے ادارے موثر تھے۔ مرد و زن بطور صنف باہم جابر و مجبور یا زبردست و زیردست نہ تھے۔

تاریخِ اسلام کے اس روشن باب کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت کے ساتھ مسلمان معاشروں میں، کبھی ایک عذر کی بنیاد پر اور کبھی دوسرے بہانے سے خواتین کے حقوق سلب کر لیے گئے، اور امت مسلمہ کے عمومی زوال کی صدیوں (اٹھارہویں تا بیسویں) میں تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہیں تعلیم سے محروم رکھنے کے لیے مذہبی حوالوں سے کام لیا گیا، ازدواجی زندگی میں اسے ''بے زبان جاندار'' بنا کر رکھ دیا گیا اور اس کے لیے عدل و انصاف کا حصول ناممکن بنا دیا گیا تھا۔

امت مسلمہ کے زوال و ادبار کے دور میں مغربی معاشرہ احیائے فکر و دانش کے مرحلے سے گزر رہا تھا (اس فکر و دانش کے بعض مظاہر، بالخصوص نوآبادیت اور قومیت پرستی بنی نوع انسان کی فلاح سے زیادہ مخصوص انسانی گروہوں کی فوقیت و بالادستی اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے تھے)۔ اس تناظر میں کمزور اُمتِ مسلمہ کا مغربی تحریکوں اور ان کے افکار سے متاثر ہونا چنداں تعجب خیز نہیں۔ ان مغربی تحریکوں میں سے ایک ''تحریکِ آزادیٔ نسواں'' تھی جس نے اُمتِ مسلمہ کے ایک موثر طبقے کو متاثر کیا، اور مختلف مسلمان معاشرے مرد و زن کے حقوق و فرائض اور معاشرتی کردار کے حوالے سے ان بحثوں میں پورے طور پر شریک ہوئے جو مغرب میں جاری تھیں اور اسی پس منظر میں اپنے حالات میں رد و بدل کے لیے کوشاں رہے۔ ''تحریک آزادیٔ نسواں'' سے جنم لینے والے مباحث کے نتیجے میں مسلمان معاشروں کی تعلیم، رہن سہن، قانون اور ادب و صحافت سب ہی متاثر ہوئے ہیں اور ان مثبت یا منفی اثرات کے جائزہ و تجزیہ پر متعدد اہل علم نے قلم اٹھایا ہے۔ زیر نظر کتاب میں دنیائے اسلام کے ایک اہم ملک، مصر میں آزادیٔ نسواں کی تحریک اور عربی ادب پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

---

کتاب کی مؤلفہ کو مصر میں آزادیٔ نسواں کی تحریک سے اپنے زمانۂ تعلیم سے علمی دلچسپی رہی ہے۔ انہوں نے غالبًا ایم-اے (شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ) کی سطح پر اس تحریک کے معروف منّاد قاسم امین (۱۸۶۳-۱۹۰۸ء) کی سرگرمیوں کو موضوع بناتے ہوئے ''قاسم امین کی سماجی اور ادبی

خدمات'' کے عنوان سے مقالہ لکھا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ علی گڑھ والوں نے قاسم امین کی زندگی میں ان کے افکار سے دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ مولوی رشید احمد انصاری (م۱۹۲۲ء) نے ان کی تالیف ''تحریر المرأۃ'' کو اُردو میں منتقل کیا تھا جو پہلے ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' میں بالاقساط شائع ہوئی اور پھر کتابی صورت میں چھپی (آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۹۰۳ء، اشاعت مکرر، لکھنؤ: الناظر بک ڈپو، ۱۹۲۲ء)۔ قاسم امین کے افکار پر نقد و گرفت کے حوالے سے مصر ہی کے فرید وجدی (م۱۹۵۴ء) بہت معروف ہیں جن کی کتاب ''المرأۃ المسلمہ'' کو آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس-علی گڑھ کی ذیلی تنظیم ''انجمن ترقی اردو' نے اپنی تاسیس (۱۹۰۳ء) کے فوراً بعد ان کتابوں میں شامل کر لیا تھا جنھیں اردو میں منتقل کیا جانا ضروری تھا۔ علی گڑھ تحریک کے ہم نوا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (م۱۹۱۲ء) نے تو اسے رفتارِ زمانہ کے خلاف قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا تھا، تاہم مولانا شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء) نے اسے مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۹۵۸ء) کے ترجمہ و تلخیص کی شکل میں ماہنامہ ''الندوہ'' میں شائع کر دیا تھا، اور آج یہ ترجمہ ''مسلمان عورت'' کے نام سے متداول ہے۔ زیرنظر کاوش جو عربی زبان و ادب میں ڈاکٹریٹ کے مقالۂ تحقیق کے طور پر مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ میں پیش کی گئی تھی، علی گڑھ کی عالم اسلام کے معاشرتی مطالعے اور بالخصوص مصر میں تحریکِ آزادیٔ نسواں سے صدی بھر کی دلچسپی کا تسلسل ہے۔

کتاب ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری (صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ) کے پیش لفظ، مولفہ کے مختصر مقدمے، پانچ ابواب اور حاصل بحث (بعنوان ''خاتمہ'') پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تاریخی تناظر میں مغربی دنیا میں تحریک آزادیٔ نسواں کی پیش رفت کا ذکر کیا گیا ہے اور تحریک کے اہداف و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مغربی دنیا میں سے فرانس میں تحریک کی پیش رفت پر اس لیے خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ ۱۷۹۸ء میں نپولین کے حملۂ مصر کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی و سفارتی تعلقات اور علمی و فکری اخذ و اکتساب کے نتیجے میں تحریک آزادیٔ نسواں مصر اور عرب ممالک میں مقبول ہوئی تھی۔ دوسرے باب میں مصر میں تحریک آزادیٔ نسواں کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے، اور انیسویں صدی میں اس تحریک کے زیر اثر خواتین کی تعلیم، اور عام زندگی میں ان کی فعال شرکت کے لیے کیے گئے اقدامات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ضمناً حجاب اور معاشرتی حقوق کی بحث، نیز مصری صحافت کے کردار پر گفتگو کی گئی ہے۔ مؤلفہ نے ساری بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے:

☆ آزادیٔ نسواں کی تحریک کا آغاز مصر میں فرانسیسیوں کے زیراثر ہوا۔ نپولین کی قیادت میں مصر پر فرانسیسی فوج کے حملے اور پھر وہاں کچھ عرصہ قیام کا مصری طرزِ معاشرت

پر اثر پڑا۔ اس کے بعد مصر کے حکمرانوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جو وفود فرانس بھیجے، وہ وہاں کی تہذیب و معاشرت سے متاثر ہوئے اور انہوں نے واپس آکر آزادیٔ نسواں کے میدان میں قائدانہ کردار انجام دیا۔

☆ آزادیٔ نسواں کو فروغ دینے میں بعض غیر مسلم دانش وروں اور سیاست دانوں نے بھی اہم کردار انجام دیا۔ انہوں نے مصری عورت کی پسماندگی کا سبب اس کے اسلامی اقدار و روایات سے چمٹے رہنے کو بتایا اور ترقی حاصل کرنے کے لیے اس سے دست بردار ہونے کی دعوت دی۔

☆ حکمرانوں اور سماجی مصلحین کی کوششوں سے تعلیم نسواں کا رجحان پیدا ہوا، اور لڑکیوں کی تعلیم کے ادارے قائم ہوئے، لیکن بیسویں صدی کے ربع اوّل تک انھیں صرف ثانوی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ بعد میں انھیں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخل ہونے کے مواقع ملے اور انھوں نے مختلف علوم و فنون میں لڑکوں کے دوش بدوش تعلیم حاصل کی۔

☆ بعض شخصیات نے زندگی کے تمام شعبوں میں عورت کی سرگرم شرکت کی دعوت دی اور معاشرہ کی ترقی میں نمایاں کردار سرانجام دینے کا مطالبہ کیا، چنانچہ عورتوں نے احتجاجی مظاہروں میں حصہ لیا اور مردوں کے دوش بدوش دیگر سماجی خدمات انجام دیں۔

☆ مصری عورت بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں مردوں کے مساوی سیاسی حقوق سے بہرہ ور نہیں ہوسکی تھی۔ کئی دہائیوں کی طویل جدوجہد کے بعد اسے یہ حقوق حاصل ہوسکے۔

☆ بعض حلقوں کی طرف سے آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کی زبردست مخالفت ہوئی، اور اُن کے خیالات پر سخت تنقیدیں کی گئیں، لیکن اُن کی مخالفت کچھ کارگر ثابت نہ ہوئی اور تحریک آزادیٔ نسواں کو فروغ ہوتا گیا (صفحات ۷۳-۷۴)۔

تیسرے باب میں تحریک آزادیٔ نسواں کی چند اہم اور نمایاں شخصیتوں —— رفاعہ رافع طہطاوی، احمد فارس شدیاق، علی پاشا مبارک، محمد عبدہٗ، عبدالرحمٰن الکواکبی، سعدزغلول، قاسم امین، عبدالقادر مغربی، احمد لطفی السیّد، ولی الدین یکن، ہدیٰ ہانم شعراوی، باحثہ بادیہ، می زیادہ اور طٰہٰ حسین —— کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے آزادیٔ نسواں کے حوالے سے جن شخصیات کی کوئی مستقل تحریر یادگار نہیں، ان کے افکار و خیالات سوانح کے ذیل میں بیان کر دیے گئے ہیں، البتہ جن شخصیات کی مستقل بالذات

ادبی نگارشات اور کتابیں ہیں، ان کی تحریروں کا جائزہ چوتھے باب میں لیا گیا ہے۔ رفاعہ طہطاوی کی تالیفات (تخلیص الابریز فی تلخیص باریز، مناھج الالباب المصریہ فی مباھج الآداب العصریہ، المرشد الامین للبنات والبنین)، احمد فارس شدیاق کی کاوشوں (الساق علی الساق فیما ھو الفاریاق، کشف المخبا عن فنون اوربا) ، احمد امین کی معروف تالیفات (تحریر المرأۃ، المراۃ الجدیدہ)، باحثہ بادیہ کے مجموعۂ مقالات (النسائیات)، محمد حسین ہیکل کے ناول (زینب) اور لطفی السیّد کے مقالات (المنتخبات) کے حوالے سے اُن کے افکار و خیالات کا جائزہ و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں آزادیٔ نسواں کے حامی شاعروں (جن میں سے بعض کا ذکر بطور نثرنگار چوتھے باب میں ہو چکا ہے) کے کلام کے ذکر کے ساتھ عربی ادب پر ان کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

''خاتمہ'' میں مؤلفہ نے اپنے فکر و فہم کے مطابق ''حقوقِ نسواں اور اسلام'' پر مختصراً گفتگو کی ہے۔ مؤلفہ کا زاویۂ نظر بحیثیت مجموعی متوازن ہے، البتہ کہیں کہیں نازک اور چبھتے ہوئے سوالوں سے انھوں نے پہلوتہی کی ہے۔ اُن کے نزدیک تعلیم ''لڑکوں کی طرح لڑکیوں کا بھی بنیادی حق ہے۔ اس معاملہ میں دونوں میں کوئی تفریق نہیں'' (ص۲۷۶)۔ کیا چہرہ اور ہاتھ بھی [خاتون کے] پردے میں داخل ہیں یا اُن کا پردہ ضروری نہیں؟ اُن کی رائے میں: ''اس سلسلہ میں صحابہؓ کے درمیان بھی اختلاف تھا اور بعد کے اہل علم میں بھی اختلاف رہا ہے'' (ص۲۸۰)۔ مرد و زن کے اختلاط کے حوالے سے مؤلفہ نے دوٹوک انداز میں لکھا ہے: ''[آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں] کے نزدیک سماج کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ عورت اور مرد دونوں باہم مل جل کر اپنی سرگرمیاں انجام دیں۔ اسلام اس چیز کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رہنا چاہیے، اُن کے باہم گھلنے ملنے سے بہت سی سماجی برائیاں پنپنے کا اندیشہ رہتا ہے'' (ص۲۸۲)۔ مؤلفہ کے نزدیک کسبِ معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے، تاہم ناگزیر ضرورت کے تحت عورت کسبِ معاش میں شریک ہوسکتی ہے۔ ''تعدد ازدواج کی اجازت اسلام نے عیاشی کے لیے نہیں، بلکہ حکمت و مصلحت کے تحت دی ہے'' (ص۲۸۶)، تاہم اگر کوئی مرد تعدد ازدواج کو عیاشی کے لیے استعمال کرتا ہو تو اس کا تدارک کیسے ہو؟ کیا اسے ایک فرد کا ذاتی فعل، اور اسے خداوند کریم کے سامنے جواب دہی تک محدود کر دیا جائے؟، یا معاشرے اور ریاست کا اس سلسلے میں کوئی کردار ہو سکتا ہے؟ ان سوالوں پر مؤلفہ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بجا طور پر اُن کے نزدیک ''اسلام میں طلاق کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے'' (ص۲۸۸)، مگر کیا طلاق تفویض کی صورت میں ناانصافیوں کو کم نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر مؤلفہ نے مولانا جلال الدین عمری کی عبارت نقل کی ہے: ''اگر طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہو جائے تو کوئی

بھی بداخلاق عورت جب چاہے گی، مرد کو طلاق دے کر بچوں کو اس کے حوالے کر دے گی اور مہر اور زیورات لے کر گھر سے نکل کھڑی ہوگی، پھر نئے مہر اور ساز و سامان کے ساتھ دوسرے مرد سے شادی کر لے گی'' (صفحات ۲۸۸-۲۸۹)۔ سیاسی حقوق کے حوالے سے مؤلفہ نے کہا ہے کہ ''حدیث [لن يفلح قوم ولوا أمرهم امراة] سے اعلیٰ سربراہی کے منصب سے عورت کی نااہلی کا اظہار ہوتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کسی اجتماعی منصب کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی'' (ص۲۹۰)۔

کتاب اپنے موضوع پر ایک اچھی کاوش ہے، اور مناسب انداز میں پیش کی گئی ہے۔